ڈاکٹر بلند اقبال کے افسانے کی فکری جڑیں

معید رشیدی (دہلی)

میں کسی بھی فن پارے میں آفاقیت کی روح تلاش کرتا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ نام نہاد ناقدین ادب نے ادب کو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مثلاً ترقی پسند، جدید اور مابعد جدید۔ دراصل سکہ بند نظریات کے حامل ناقدین کو مفاد زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ ادب کو کسی فارمولے میں فٹ نہیں کیا جا سکتا۔ ادب نے اپنے جلو میں ہمیشہ آفاقی قدروں کی حفاظت کی ہے۔ اسی خصوصیت نے ہر عہد میں اس کی معنویت برقرار رکھی ہے۔ ہماری تنقید کا دامن شاعری کے مباحث سے بھرا پڑا ہے۔ اسی لیے بعض لوگوں کو یہ شکایت رہی ہے کہ ہماری تنقید ایک ٹانگ پر کھڑی ہے۔ اردو میں فکشن کی بھی ایک مضبوط روایت ہے لیکن اس کی تنقید بھی ہمیشہ اپنے چولے بدلتے رہتی ہے۔ ادبی و تہذیبی مسائل کو مخصوص عینک سے دیکھنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ اردو افسانہ اپنی تمام تر روایت اور عصری میلانات کے ساتھ گرم سفر ہے۔ اسے نہ جانے کتنی دھوپ چھاؤں سے گزرنا پڑا مگر اس کے پائے استقلال میں کمی نہیں آئی۔ فن کوئی بھی ہو آسان نہیں ہوتا۔ اسے برتنے کا سلیقہ چاہیے۔ یہی سلیقہ مندی کسی بھی فن کی جان ہوتی ہے۔ اکثر فن کاروں میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ خصوصاً جب نئے قلم کاروں کو پڑھتا ہوں تو کچھ زیادہ ہی مایوسی ہاتھ آتی ہے۔ لیکن انہیں میں کچھ تابناک ستارے ایسے بھی سامنے آجاتے ہیں جن کی ضیا گستری جلد ہی متوجہ کر لیتی ہے۔ جب میں نے بلند اقبال کے افسانے پڑھے تو مجھے ان کے ہاں سلیقہ مندی کا احساس ہوا۔ ایک ہی نشست میں ان کے افسانوں کا مجموعہ 'فرشتے کے آنسو' پڑھ گیا۔ یہ ان کے افسانوں کی بڑی کامیابی ہے کہ وہ خود کو پڑھوا لیتے ہیں اور قاری کو قرات کے دوران کسی طرح کا جبر محسوس نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر بلند اقبال پیشے کے اعتبار سے فزیشن ہیں۔ سائنس کے مطالعے اور مشاہدے کے اثرات ان کے افسانوں میں صاف نظر آتے ہیں۔ ادبی خانوادے سے ان کا تعلق ہے۔ ان کی فکر بلند اور شعور پختہ ہے۔ افسانے کے فن اور تکنک سے واقف ہیں۔ زبان شستہ ہے۔ نئی تشبیہات، نئے نئے استعارات اور لفظی و معنوی تلازمات کی تلاش ان کا طرہ امتیاز ہے۔ علامتوں سے دلچسپی ہے۔ راست و پیچیدہ بیانیہ کی دونوں قسمیں ان کے یہاں ملتی ہیں۔ ان کے بیانیہ میں شعریت بھی ہے۔ ابہام کو بروئے کار لا کر اپنے افسانوں میں حسن پیدا کرتے ہیں۔ ان کی کہانیوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں علت و معلول کا احساس ہوتا ہے۔ بے ربطی سے اُن کے واقعات مبرا ہیں۔ ان کے تمام افسانے مختصر ہیں مگر اختصار کے ساتھ جامعیت انہیں وقار بخشتی ہے۔ آہنگ، تناظر اور توازن کے اختصاص سے وجود میں آنے والی صحت یا جچا تلا پن ان کے خوبصورت اسلوب کا غماض ہے۔ ان کا اسلوب ان کی انفرادیت کا ضامن ہے۔ ان کے مختلف افسانوں کے چند اقتباسات ہی اس دعوے کی دلیل کے لیے کافی ہیں:

''جبران کو شاید پتہ تھا کہ مذہب علامتوں میں اُترا تھا اسی لیے اس نے ایمان کا وہ راستہ چنا تھا جو کٹھن فکر کا تھا،

ایسا رستہ جس کی منزلیں کبھی کبھی بے منزل بھی کر دیتی ہیں۔ کچھ ہی سالوں میں اُسے محسوس ہونے لگا کہ شاید اُس کے مقدر میں بھی خدا کی طرح تنہائی ہے۔''

(اقتباس از ''ادھورا کافر'')

'' کہتے ہیں اس رات خدا اور انسان کا ملاپ ہوا تھا اور پھر اس روتے سسکتے ہوئے انسان کے شعور پر چوتھے ڈائمنشن کا دروازہ کھل گیا جس سے نکلتی ہوئی روشنیاں کائنات کا سینہ شق کر گئی تھیں اور چند انمٹ سوالیہ نقوش چھوڑ گئی تھی۔ خدا کی تخلیق خدا جیسی کیوں نہیں ہے؟''

(اقتباس از ''فورتھ ڈائمنشن'')

'' خدا جانے قدرت اس قدر باذوق کیوں ہے کہ آنسوؤں کا مزہ بھی نمکین ہے، ایسا نمکین جو زخموں پر پڑ کر درد نہیں دیتا بلکہ شفا بن جاتا ہے''

(اقتباس از ''انتظار'')

''پھر یہ ہوا کہ آزر کے گھر کو آگ لگا دی گئی اور پھر اُسے بھی زندہ جلا دیا گیا۔ آزر جلتا رہا اور لوگ تماشہ دیکھتے رہے مگر کسی نے نہ دیکھا کہ اُس کے راکھ ہوئے گھر میں ایک کچی مٹی کا بُت بھی پک کر کندن ہو چکا ہے۔ آزر کا بنایا ہوا خدا کا بُت ایک چھوٹے سے معصوم بچے کا بُت۔ جو لاغر، کمزور اور ننگا تھا، جس کے ہاتھوں پیروں کی ہڈیاں اور سینے کی پسلیاں سوکھی ہوئی تھیں، جس کی بھوکی آنکھوں میں آنسو تھے اور جس کے ہاتھ میں خالی پیالہ تھا۔''

(اقتباس از ''خدا کا بُت'')

''اور سنو جی۔۔۔۔ تمھیں پتہ ہے نہ؟
وہاں ساری حوریں بانجھ ہیں ۔۔۔۔ میری طرح۔
اور سارے فرشتے خدا کی محبت میں اندھے ہیں۔۔۔۔ تمھاری طرح''

(اقتباس از ''اندھا فرشتہ'')

''وقت تو عفریت کا روپ دھار چکا تھا، جس کی زبان لمبی اور دانت خون آلود تھے۔ جس کا پھولا ہوا پیٹ تاریخ کے سارے راز سمیٹے، بے ہنگم انداز میں آنے والی نسل انسانی کو پھر سے ڈکارنے تیار بیٹھا تھا۔ کتابوں کے ہر صفحے پر لفظ روتے تھے، دیومالائی کہانیاں ہوں یا آسمانی صحیفے، پیغمبروں کے قصے ہو یا زمان و مکان کے جھگڑے ہر لفظ آنسوؤں کی شکل بن بن کر بہتا تھا''

(اقتباس از ''بے زمینی نسل کشی ہے'')

بلند اقبال کی فکر اپنے اندر گہری داخلیت رکھتی ہے۔ الفاظ کا برمحل اور خوبصورت انتخاب اور زبان کا برجستہ استعمال ان کے اعلیٰ زوق کا پتہ دیتا ہے۔ ان کے افسانوں کی ماورائی فضا ایک تحیر کا احساس دلاتی ہے۔ اور قاری کی فکر کو مہمیز کرتی ہے۔ وہ کرداروں کی نفسیات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان کے تجربات اور مشاہدات نے جذبات نگاری میں کافی مدد پہنچائی ہے۔ انسان کی بے حسی، ضمیر کی چیخ، سچ کی فتح اور جھوٹ کی شکست، مذہب کی غلط تعبیر و تفہیم کے نقصانات، جنسی بے راہ روی، ہجرت کی سائیکی، مغربی کلچر کے منفی اثرات، سماجی نابرابری اور ناروائی، مادیت، روحانیت، میکانیت، ہوس، انسانی جذبات پر معاشرتی یلغار، زندگی سے بیزارگی، خطرناک بیماریوں کے مکروہ چہرے، فرقہ واریت اور مذہبی منافرت، نازک رشتوں میں دراڑ، ایمان و یقین کی کمزوری، اٹوٹ محبت، عورتوں پر ظلم و جبر کے خلاف احتجاج اور مزاحمت، بے ضمیری کا کھوکھلا پن، مشرقی و مغربی اقدار میں تصادم، اندھا عقیدہ اور اندھی تقلید، بے جا رسوم و رواج کے غلط اثرات، تنہائی کی نفسیات اور اس کا کرب وغیرہ ان کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔ ان کے موضوعات وسیع پس منظر کے اور نتائج آفاقی نوعیت کے عکاس ہیں۔ ان کا اصل موضوع وجود کا کرب ہے۔ وہ زندگی کی معنویت کے عرفان کے لیے تہ در تہ گہرایوں میں اترتے ہیں اور وجود کے جوہر سے معنی کا شعور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں اشیا کی مطہریت، شعور کی سطح، مسائل ذات اوت تشکیک کی مرکزیت ولامرکزیت کی کشمکش کی جانب ذہن کی پرتیں کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ متن کی قرات معنی کی نئی جہات اور گوناگوں سوالات پیدا کرتی ہے۔ بیان میں اسراریت مفاہم کی کثیر الجہتی (Multidimension) کا اعلامیہ ہے۔ اشیا اور فرد کی وجودیت اور حقیقت کو متجسس نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فکری آزادی اور حیات و ممات کا المیہ اپنے عہد سے مکالمہ کرتا ہے۔

ہنری جیمس کہتا ہے:

''مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فنکار بھی سنجیدگی سے فنی عمل نہیں کرسکتا جب تک وہ حد سے زیادہ آزادی محسوس نہ کرے۔ یہ ہی احساس ایک قسم کا الہام ہے۔ اس کے سلسلے میں، آسمانی روشنی کے زریعے، یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فن کا دائرہ تمام زندگی پر، تمام احساسات، تمام مشاہدات اور تمام بصیرتوں پر محیط ہے اور یہ تجربہ ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو جواب دینے کے لیے کافی ہے جو کہتے ہیں کہ فن کو زندگی کی المناک چیزوں کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔''

(فکشن کا فن ۱۸۸۴۔ مشمولہ ارسطو سے ایلیٹ تک، مترجمہ جمیل جالبی۔ ص ۴۹۰)

آج کے حالات یہ ہیں کہ اظہار کی آزادی کے نام پر اخلاق کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ ذہنی آوارگی اور جسمانی عیاشی بدکرداری کے نقوش مرتب کررہی ہیں۔ سستی جذباتیت سے سیاست دان اپنی روٹیاں سینک رہے ہیں۔ آج انسان میکانکی نفسیات کا شکار ہے۔ ایسی حالات میں ایک سچے فنکار کا ضمیر کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ مشینی زندگی انسان کو روحانی تسکین نہیں پہنچا سکتی۔ مادیت کے بجائے روحانیت کی طرف مراجعت ضروری ہے۔ نیا افسانہ فکری حصار کو توڑ دینا چاہتا ہے۔ نیا افسانہ حقیقت پسندانہ احساسات سے مملو ہے۔

قمر رئیس لکھتے ہیں:

''نوجون ادیب اظہار کے لیے نئے پیرائے وضع کر کے بیانیہ کو جو نئی وسعت دے رہے ہیں اس میں کئی جہتیں شامل ہو جاتی ہیں۔اس سطح پر کئی طرح کے مسائل بھی جنم لیتے ہیں جن کا تعلق کہانی میں حقیقت نگاری کی حدود اور امکانات سے ہے''

(نیا افسانہ۔مسائل اور میلانات،مرتبہ: پروفیسر قمر رئیس،ص ۱۱۔۱۲)

ڈاکٹر بلند اقبال بھی حقیقت پسندانہ وژن رکھتے ہیں۔کہانیاں ان کے نزدیک ذہنی عیاشی نہیں بلکہ خوشنما رنگوں والی نیم آوارہ تتلیوں کی طرح ہیں۔وہ کہانیوں کو جھلسا دینے والی آگ سے تعبیر کرتے ہیں۔''جو معنوں کا دھواں پیدا کرتی ہیں جو سوچ کے تمام بند دریچوں کو راکھ کر دیتا ہے اور پھر نئے شگوفے کھلاتی ہیں،شبنمی قطروں سے، پتیوں کے رنگوں سے، پھولوں کو نکھار دیتی ہیں اور خوش نما رنگوں والی نیم آوارہ تتلیوں کو پھر سے ان میں بسا دیتی ہیں۔۔۔کبھی انسان تو کبھی خدا بنا دیتی ہیں،''

(''کہانیاں اور میں''مشمولہ''فرشتے کے آنسو'')

بلند اقبال اپنی کہانیوں کے زریعہ ذات و کائنات کی برہنگی کو ڈھانکنے کے ساتھ تزکیہ (Catharsis) کے عمل اور محسوسات سے بھی گزر رہے ہیں۔''فرشتے کے آنسو''ان کیا کہانیوں کا پہلا مجموعہ ہے جو زندگی کے گونا گوں تجربات اور واقعات کے رنگوں سے مزین ہے۔اس مجموعے کی کہانیوں میں (بہ استثنائے چند) فنی صلابت بھی ہے اور انفرادیت بھی۔

----------ختم شد----------